ڈاکٹر محمد سلیم اختر:

سازمان لغت نامۂ دہخدا کے سربراہ، ممتاز ایرانی دانشور

استادِ علّامہ ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی

(ایک تعارف)

ذات باری تعالیٰ پر پختہ ایمان اور توکل، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل اطہار کے ساتھ غیر معمولی عشق و ارادت اخلاص و مروت، صمیمیت و صفا، خوشروئی و خوش گفتاری اور حق شناسی و حق گوئی میں معروف، غیبت و بدگوئی سے کوسوں دور، لاف زنی، تفاخر اور نمائش علم سے متنفر، ایک کامیاب عملی زندگی گذارنے کے باوصف دنیا و مافیہا سے غیر معمولی طور پر بے اعتنا، بلند ہمت، پختہ ارادہ، معمولاتِ زندگی میں بالکل وارستہ و آزادہ، شہرت طلبی سے مبالغے کی حد تک گریزاں، فروتنی و انکساری حد سے بڑھی ہوئی، صبر و رضا کا یہ عالم کہ انھیں دیکھ کر زہد و رہبانیت کا گمان ہو، مناعت نفس، پاکیزگی اور پاکدامنی پر اوائل عمر ہی سے سختی سے کاربند، ہمہ وقت باوضو، نماز کی ادائیگی میں اوّل وقت کا التزام مدام، سفر ہو کہ حضر، شب زندہ داری اور تلاوت کلام اللہ مجید ہمیشہ کا معمول، قوت حافظہ، حضور ذہنی، اور استحضار مطالب میں اپنی مثال آپ، فقہ و اصول میں مجتہد، اسلامی تاریخ کے مطالعہ و مداقہ سے سالہا سال کا شغف، زبان و ادبیات عرب و ایران کے ناپیدا کنار سمندر کے ایک مسلّمہ مشّاق شناور، تصنیف و تالیف، تعلیم و تعلّم اور تقریر و تحریر کے شعبوں میں نصف صدی سے زیادہ عرصے پر پھیلا ہوا شبانہ روز کا مجسّم ریاض، یہ ہیں تہران یونی ورسٹی کے پروفیسر استادِ علّامہ ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی۔

آپ ۱۹۱۸ء میں بروجرد کے ایک متوسّط قسم کے سیّد گھرانے میں پیدا ہوئے۔ خاندانی حالات کچھ ایسے تھے کہ چھوٹی عمر ہی سے کسب معاش کے لیے کوشاں ہونا پڑا۔ اس کے باوجود آپ نے اپنی تعلیم کے سلسلے کو جاری رکھا، اور جب بروجرد کے محدود علمی امکانات آپ کی علمی پیاس کو بجھانے میں ناکام رہے تو آپ نے ۱۹۴۱ء میں نجف اشرف کا رخ کیا۔ بروجرد سے روانگی سے قبل آپ شرح لمعہ اور قوانین کا مطالعہ کر رہے تھے۔ نجف اشرف پہنچ کر

آپ نے پہلے ان کتب کی تکمیل کی، پھر رسائل مکاسب پڑھے، اور اس طرح ہوتے ہوتے فقہ و اصول میں اجتہاد کے درجے پر فائز ہوگئے۔ عراق میں قیام کے دوران آپ کو متعدد علمی شخصیات سے ملاقات اور استفادے کا موقع ملا، البتہ آپ کا زیادہ وقت آیۃ اللہ سیّد محمود شاہرخی اور آیۃ اللہ حاج سیّد ابو القاسم خوئی کی خدمت میں بسر ہوا۔ ۱۹۴۸ء میں علالت کے باعث آپ کو بغرض علاج تہران آنا پڑا، لیکن یہاں کی خاک آپ کے کچھ ایسی دامن گیر ہوئی کہ آپ پھر یہیں کے ہو کے رہ گئے۔ آپ نے مدرسۂ عالی سپہ سالار (شہید مطہری) کی اوپر کی منزل میں ایک حجرے میں اقامت اختیار کی اور وہاں ہر ہفتے اصحاب چہار شنبہ کی مجالس علمی میں باقاعدہ شرکت کے علاوہ، امرار معاش کے لیے تہران یونی ورسٹی کے دانشکدہ ادبیات کے کتب خانے میں فہرست نویس کے طور پر کام کرنے لگے۔ کچھ عرصے بعد آپ علّامہ علی اکبر دہخدا کی زیر نگرانی ان کے لُغت نامے کی ہیئتِ تحریریہ میں بھی شامل ہوگئے۔

یوں تو اس زمانے میں بھی آپ ایک فقیہ، اصولی اور مؤرّخ کے طور پر پہچانے جاتے تھے، لیکن حالات کا رخ دیکھتے ہوئے آپ نے اپنے دوست (ڈاکٹر) مہدی مُحقّق کی تشویق سے ۱۹۵۰ء میں تہران یونی ورسٹی کے دانشکدۂ معقول و منقول میں داخلہ لے لیا اور ۱۹۵۲ء میں وہاں کا درس مکمل کر کے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس سے قبل ۱۹۵۱ء میں آپ کو محکمۂ تعلیم میں مدرّس کے طور پر ملازمت مل گئی، اور آپ نے تحصیل علم کے ساتھ ساتھ تہران کے ثانوی مدارس میں پڑھانا بھی شروع کر دیا۔ انھی دنوں آپ کے سسر علّامہ سیّد غلام رضا سعیدی نے فروغ علم کے نام سے تہران سے جدید نہج پر اسلامی افکار کی ترویج کے لیے ایک علمی مجلّے کا اجراء کیا تو اس کی ادارت کی ذمہ داری بھی ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی کے کندھوں پر آن پڑی۔ یہ وہی دور تھا جب ایران میں تیل کی صنعت کے قومیائے جانے کے سلسلے میں تحریک بڑے زور و شور کے ساتھ جاری تھی۔ آپ نے اس تحریک میں بھی بھرپور حصہ لیا اور اخبارات و جرائد میں اس موضوع پر متعدد مقالے شائع کیے۔ اپنی ان گوناگوں مصروفیات کے باوجود آپ نے ۱۹۵۶ء میں تہران یونی ورسٹی کے فارسی زبان و ادب میں بی اے کا امتحان پاس کیا، اور پھر ۱۹۶۱ء میں تہران یونی ورسٹی سے مشہور ایرانی شاعر اوحد الدّین انوری ابیوردی (متوفّی ۵۸۳ھ / ۱۱۸۷ء) پر نامور ایرانی اسکالر ڈاکٹر محمّد معین کی رہنمائی میں تحقیقی کام کر کے پی ایچ ڈی کی ڈگری سے سرفراز ہوئے، اور پھر اسی سال آپ کو تہران یونی ورسٹی میں تدریس پر مامور کر دیا گیا۔

لُغت نامۂ دہخدا بڑے سائز کے باریک ٹائپ پر مطبوعہ ۲۷ ہزار صفحات پر پھیلا ہوا

ایک عظیم علمی کارنامہ ہے، جس کو خواب سے حقیقت کے روپ میں لانے کے لیے سوا سو کے قریب نامی ترین ایرانی اہل علم و قلم نے کئی دہائیوں تک مسلسل شبانہ روز محنت کی اور طرح طرح کی صعوبتیں انتہائی خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی نجف سے تہران آنے کے کچھ ہی عرصے بعد اس کے مؤلّفین میں شامل ہوگئے تھے۔ ۱۹۶۳ء میں آپ کو اس ادارے کے اس وقت کے سربراہ اور آپ کے استاد، ڈاکٹر محمّد معین کا معاون، اور پھر ۱۹۶۷ء میں ڈاکٹر معین کے طویل علالت کے بعد انتقال پر، سازمانِ لُغت نامۂ دہخدا کا سربراہ بنا دیا گیا۔ آپ نے اپنی خطیر ذمہ داری کو، اور فرہنگ معین کی تکمیل کے عظیم کام کو، جو فاضل مُصنّف کی وفات کے باعث نامکمل رہ گیا تھا، جس حسن و خوبی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچایا، وہ آپ ہی کا حصہ ہے، اور مزے کی بات یہ ہے کہ آپ نے ان اضافی ذمہ داریوں کے لیے، اور یہاں تک کہ لغت نامہ کے لیے اس اثنا میں جتنے بھی مقالے لکھے، ان کا کبھی کوئی معاوضہ قبول نہیں کیا۔ اور تہران یونی ورسٹی کے پروفیسر کے طور پر، جہاں آپ دو دفعہ صدرِ شعبۂ عربی کے طور پر بھی منتخب ہوئے، آپ کو جو تنخواہ اس سے پہلے ملتی تھی، اسی پر اکتفا کرتے رہے۔

ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی مختلف علمی مراکز اور یونیورسٹیوں کی دعوت پر متعدد دفعہ اردن، شام، لبنان، لیبیا، الجزائر، مراکش، سعودی عرب، ترکی اور افغانستان کے دورے کر چکے ہیں۔ ایران سے، انگلستان، فرانس، اٹلی، امریکہ اور چین جانے والے علمی وفود کی رکنیت کا شرف بھی آپ کو حاصل رہ چکا ہے۔ حکومت ایران کی طرف سے عطا ہونے والے مختلف علمی اعزازات کے علاوہ، آپ کو ۱۹۹۴ء میں پیکنگ یونی ورسٹی کی طرف سے، اعزازی ڈاکٹریٹ سے بھی نوازا گیا۔

ڈاکٹر شہیدی کے شاگرد ایران کے علاوہ، بشمول پاکستان و ہند دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ کئی دفعہ پاکستان بھی تشریف لا چکے ہیں۔ اس ملک کے ساتھ آپ کی دلچسپی کا ایک سبب آپ کے سسر، مرحوم علّامہ سیّد غلام رضا سعیدی کی پاکستان، اقبال اور قائد اعظم کے ساتھ والہانہ محبت بھی ہے، جنھوں نے ان موضوعات پر نہ صرف متعدد گراں قدر علمی مقالے ایرانی مطبوعات و جرائد میں شایع کیے، بلکہ حیاتِ قائد اعظم پر مشہور انگریز مصنف ہیکٹر بولیتھو (۱) کی کتاب کو بھی انگریزی سے فارسی میں ترجمہ کر کے ۱۹۵۰ء میں تہران سے شایع کیا۔ ان کے نزدیک قائد اعظم محمد علی جناح ایشیا کے عظیم ترین سیاسی رہنما اور مدبر تو تھے ہی، اگر وہ

اور ان کے جاں نثار رفقاء ہندوؤں کے نوظہور استعمار کے خلاف " بصیرت ، درایت اور استقامت " کا وہ مظاہرہ نہ کرتے جو انھوں نے کیا ، تو ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کی سرنوشت اسلام کے زوال کے بعد اسپین میں مسلمانوں کی سرنوشت سے مختلف نہ ہوتی ۔

ڈاکٹر شہیدی کا شمار موجودہ ایران کے برجستہ ترین اقبال شناسوں میں ہوتا ہے ۔ اس سلسلے میں بھی ان کی شخصیت پر علّامہ غلام رضا سعیدی کے گہرے اثرات کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ۔ علّامہ سعیدی نے قائد اعظم کی طرح اقبال پر بھی ایک کتاب " اقبال شناسی ہنر و اندیشہ محمّد اقبال (تہران ، ۱۹۵۹ء) یادگار چھوڑی ہے۔ جس میں اس کی غایت تالیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کتاب کی اشاعت کا مقصد اسلامی ایرانی معاشرے کے جدید ذہن کے مالک اور روشن فکر جوانوں کو اس بات پر آمادہ کرنا ہے کہ وہ اپنی اور آئندہ نسلوں کی زندگیوں کو عالم مشرق کے اس عظیم مفکر اور دانشور کی تعلیمات کی روشنی میں ڈھالیں ، اور اس بات کو انتہائی فخر اور انبساط کے ساتھ اپنے ذہنوں میں جاگزیں کرلیں کہ اگر اینگلو سیکسن نژاد لوگوں کو شیکسپیر پر ، اہل فرانس کو وکٹر ہیوگو کی ذات پر ، اور جرمنی کے باشندوں کو گوئٹے پر فخر ہوسکتا ہے ، تو کوئی وجہ نہیں کہ اسلامی معاشرے ، بالخصوص ایران اور پاکستان کے بسنے والے اقبال پر فخر نہ کرسکیں ۔

علّامہ سعیدی ایک جیّد عالم دین ہونے کے علاوہ ، فارسی و عربی کے ایک بے باک ، مؤثر اور صاحب طرز ادیب ، انشا پرداز ، اور مُقرّر بھی تھے ۔ انقلاب ایران کے بعد ، اور اس سے کچھ پہلے خاص طور پر ڈاکٹر علی شریعتی کی اقبال سے شدید ارادت کے باعث اقبال کو ایران میں بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی ۔ لیکن اس سے پہلے کے دور میں جن لوگوں نے اقبال کے پیغام کو سمجھا اور پورے اخلاص کے ساتھ اسے گھر گھر پہنچانے کی کوشش کی ، ان میں علّامہ غلام رضا سعیدی صاحب کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے ۔ ایران کے علمی احول سے آشنا پاکستانی اہلِ علم تو بارہا ان کی شخصیت کو قلمی خراج تحسین پیش کرچکے ہیں ، لیکن پاکستان کے علمی اداروں اور حکومت کی طرف سے ان کی خدمات کا رسمی اعتراف ہونا ابھی باقی ہے ۔

ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی کے علمی مقالات عربی زبان میں العدل الاسلامی (نجف) ، منبر الاسلام (قاہرہ) ، الاصالۃ (الجزائر) ، المعرفۃ (دمشق) ، الہادی (قم) ، الفکر الاسلامی اور الاخاء (تہران) میں ، اور فارسی زبان میں دانش ، یغما ، وحید ، گوہر ، مجلّۂ دانشکدۂ ادبیات و علوم انسانی (تہران) ، مجلۂ دانشکدۂ ادبیات (مشہد) ، اور مجلّۂ اوقاف میں شایع ہوچکے ہیں ۔

ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی کا شمار ایران کے انتہائی کثیر التّالیف اور پُرکار مُصنّفین اور اساتذہ میں ہوتا ہے۔ آپ کے آثار کو نوعیت کے اعتبار سے چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

تالیفات :۔

۱۔ مہدویّت در اسلام ، پیرامون نوشتہ ہای احمد کسروی ، اشاعتِ اوّل ، بروجرد ، ۱۳۲۴ شمسی ۔ ۱۹۴۵ء

۲۔ جنایاتِ تاریخ ، جلد اوّل و دوّم ، تہران ، کتاب فروشیِ حافظ ، ۱۳۲۷ شمسی ۔ ۱۹۴۸ء

۳۔ جنایاتِ تاریخ ، جلد سوّم ، تہران ، دفتر (نامۂ) فروغِ علم ، ۱۳۲۹ شمسی ۔ ۱۹۵۰ء

۴۔ چراغِ روشن در دنیای تاریک (یا زندگانیِ امام سجّاد) ، تہران ، کتاب فروشی و چاپخانۂ محمّد حسن علمی ، ۱۳۳۵ شمسی ۱۹۵۶ء

۵۔ در راہِ خانۂ خدا ، تہران ، دانش نو ، ۱۳۵۰ شمسی ۔ ۱۹۷۷ء

۶۔ در دیار آشنایان ، تہران ، بمعہ لیما ، ۱۳۵۸ شمسی ۔ ۱۹۷۹ء

۷۔ پس از پنجاہ سال ، پژوہشی تازہ پیرامون قیام امام حسین علیہ السّلام ، اشاعتِ اوّل ، تہران ، امیر کبیر ، ۱۳۵۸ شمسی ۔ ۱۹۷۹ء اشاعتِ شانزدہم ، دفترِ نشرِ فرہنگِ اسلامی ، ۱۳۷۲ شمسی ۔ ۱۹۹۳ء

۸۔ شرحِ لغات و مشکلاتِ دیوانِ انوری ، اشاعتِ اوّل ، تہران ، انجمن آثار ملی ، ۱۳۵۸ شمسی ۱۹۷۹ء ، انتشارات علمی و فرہنگی ، ۱۳۶۴ شمسی / ۱۹۸۳ء ۔

۹۔ تاریخِ تحلیلیِ اسلام تا پایان امویان ، تہران ، مرکز نشر دانش گاہی ، ۱۳۶۲ شمسی ۔ ۱۹۸۳ء

۱۰۔ زندگانیِ حضرتِ فاطمہ (ع) ، اشاعتِ اوّل ، تہران ، دفترِ نشرِ فرہنگِ اسلامی ، ۱۳۶۰ شمسی ۔ ۱۹۸۱ء اشاعتِ ہجدہم ، ۱۳۷۳ شمسی ۔ ۱۹۹۴ء ۔

۱۱۔ زندگانیِ علی بن الحسین (ع) ، تہران ، دفترِ نشرِ فرہنگِ اسلامی ، ۱۳۶۵ شمسی ۔ ۱۹۸۶ء ۔ اشاعتِ پنجم ، ۱۳۷۲ شمسی ۔ ۱۹۹۳ء

۱۲۔ آشنائی با زندگانیِ امام صادق (ع) ، تہران ، جامعۃ الامام الصادق ، ۱۳۶۲ / ۸ شمسی ۔ ۱۹۸۳ء ۔

۱۳۔ عرشیان ، نشر مشعر ، قم ، ۱۳۷۱ شمسی ۔ ۱۹۹۲ء ۔

۱۴۔ شرح مثنوی شریف ، تہران ، انتشارات علمی و فرہنگی ، ۱۳۷۳ شمسی ۔ ۸ / ۱۹۹۴ء ، جلد چہارم (دنبالہ کار ۳ جلد مرحوم فروزانفر)

۱۵۔ از دیروز تا امروز ، مجموعۂ مقالہ ہا ، بہ کوشش حرمز ریاحی و شکوفہ شہیدی ، تہران ،

انتشارات قطرہ، ۱۳۷۳ شمسی ۔ ۸ / ۱۹۹۴ء

تصحیح و تعلیقِ متون :۔

۱۔ آتشکدۂ آذر اثر لطف علی بیگ آذر بیگدلی ۔ تصحیح و مقدّمہ و فہرست و تعلیقات ۔ تہران ، موسسۂ نشر کتاب ، ۱۳۳۷ شمسی ۔ ۸ / ۱۹۵۸ء ۔

۲۔ درّۂ نادرہ ، اثر میرزا محمدی خان استرا بادی ، اشاعتِ اوّل ، تہران ، انجمن آثار ملی ۱۳۴۱ شمسی / ۱۹۶۲ء انتشارات علمی و فرہنگی ، ۱۳۶۶ شمسی / ۱۹۸۷ء ۔

۳۔ براہین العجم ، اثر محمّد تقی سپہر ، حواشی و تعلیقات ، تہران ، دانشگاہ تہران ، ۱۳۵۱ شمسی / ۱۹۷۲ء

تراجم :۔

۱۔ ابو ذر غفاری ، نخستین انقلابی اسلام ، بی نا ، ۱۳۲۰ / ۱۹۴۱ء ۔ اشاعت سوم ، تہران ، نشر سایہ ، ۱۳۷۰ شمسی / ۱۳۹۱ء ۔

۲۔ شیرزنِ کربلا ۔ اثر بنت الشاطی ، بروجرد ، ۱۳۳۲ شمسی / ۱۹۵۳ء ۔

۳۔ انقلابِ بزرگ ، اثر دکتر طٰہٰ حسین ، تہران ، موسسۂ مطبوعاتی علمی اکبر علمی ، ۱۳۳۶ شمسی / ۱۹۵۷ء

۴۔ ترجمۂ نہج البلاغہ ، اشاعتِ اوّل ، تہران ، سازمانِ انتشارات و آموزش انقلاب اسلامی ، ۱۳۶۸ شمسی / ۱۹۸۹ء اشاعتِ ششم ۱۳۷۳ شمسی ۱۹۹۴ء ۔

مجموعہ :۔

۱۔ محمّد خاتم پیامبران ، جلد اوّل و جلد دوّم ، تہران ، حسینیۂ ارشاد ، ۱۳۴۷ شمسی / ۱۹۶۸ء ۔

۲۔ یاد نامہ علّامہ امینی ، با ہمکاری محمّد رضا حکیمی ، تہران ، ۱۳۵۱ شمسی / ۱۹۷۲ء ۔

۳۔ محیطِ ادب ۔ مجموعہ سی گفتار بہ پاس پنجاہ سال تحقیقات و مطالعات سید محمّد محیط طباطبائی ، باہمکاری حبیب یغمائی ، محمّد ابراہیم باستانی پاریزی و ایرج افشار ، تہران ، مجلہ یغما ، ۱۳۵۷ شمسی / ۱۹۷۸ء ۔

دشتِ علم کی عمر بھر کی بھرپور سیّاحی کے باوجود کمال یہ ہے کہ ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی اپنی رائے اور عقیدے کو حرفِ آخر نہیں سمجھتے، بلکہ نئی نئی باتیں سیکھنے کی دھن اور علم و ادب اور طلاب کی خدمت کے جذبے سے سرشار اسّی سال کے سن میں بھی ایک جوانِ سی سالہ کی طرح ہمیشہ کوشاں اور فعّال نظر آتے ہیں ۔ آپ جب نجف اشرف سے تہران منتقل ہوئے اور مدرسۂ عالی سپہ سالار میں آپ نے اقامت اختیار کی ، تو وہاں دوپہر کے کھانے کے آس پاس مدرسۂ عالی کے اکاؤنٹنٹ مرحوم احمد راد کے دفتر میں اہلِ علم کی ایک محدود سی جماعت جس

میں احمد آرام، علی محمدؔ عامری، حسن مبرہن، استاد مجتبیٰ مینوی، ڈاکٹر محمدؔ معین، ڈاکٹر موسوی بہبہانی، ڈاکٹر احمد مہدوی، استاد شہید مطہری، شیخ عبداللہ نورانی، استاد سیّد محمد فرزان، شیخ محمدؔ علی حکیم، استاد محیط طباطبائی، حبیب یغمائی، حسین خدیو جم، ڈاکٹر غلام حسین یوسفی، ڈاکٹر ابراہیم تیموری، وحید مازندرانی، اور ڈاکٹر محمدی محقّق جیسے علم کے شیدائی شامل تھے، مختلف علمی موضوعات پر غیر رسمی تبادلۂ خیالات اور ایک دوسرے سے ملنے کے لیے بلا ناغہ جمع ہوتے اور دو تین گھنٹے کی نشست کے بعد جس میں دوپہر کا کھانا بھی شامل ہوتا اپنے اپنے کاموں پر نکل جاتے، اپنے اس باقاعدہ مجمع کے باعث یہ لوگ اصحابِ چہار شنبہ کے نام سے مشہور تھے۔ ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی بھی اس جماعت میں شامل ہوگئے۔ انقلاب ایران کے کئی سال بعد تک یہ سلسلہ جاری رہا لیکن، جب بعض احباب کے انتقال اور کچھ کی پیری کے باعث آہستہ آہستہ ان مجالس کا انعقاد ماند پڑنے لگا اور دوسری طرف لُغت نامۂ دہخدا۔ ڈاکٹر شہیدی کے انہماک میں اضافہ ہوگیا، تو انھوں نے اپنے ایم اے اور پی ایچ ڈی کے طلبہ کو سازمان لُغت نامۂ دہخدا ہی میں بلا کر ہر بدھ کو ان کی کلاسیں تشکیل دینا شروع کر دیں۔ ہوتے ہوتے نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ نئے طلبہ و طالبات کا آنا تو خیر فطری بات تھی، عماد خراسانی کے اس بیت کے مصداق:

همه خفتند به غیر از من و پروانه و شمع
قصۂ ما دو سه دیوانه دراز است هنوز

بعض ایسے لوگ بھی جو سالہا سال سے رسماً فارغ التحصیل ہوچکے تھے، وہ مدتوں بعد بھی محض استاد سے استفادے کی غرض سے زندگی کے سارے معمولات چھوڑ کر آپ کے چہار شنبہ کے درسِ آزاد میں شرکت کے لیے کھنچے چلے آتے۔

نتیجۃً استاد سیّد جعفر شہیدی کی ہمّت سے اصحابِ چہار شنبہ کی ایک نئی پود تیار ہوگئی، جس کے تیور بتا رہے ہیں کہ آئندہ کے مجتبیٰ مینوی، محمدؔ معین اور سیّد جعفر شہیدی انھی کی صفوں سے اٹھیں گے۔ جن تشنگان علم کی پیاس چہار شنبہ کو بھی نہیں بجھتی وہ جمعہ کے روز استاد کے گھر پر پہنچ جاتے ہیں۔

ایران۔ عراق جنگ کے دوران بھی کلاسوں کا یہ معمول جاری رہا، چونکہ استاد کی نظر میں ان حالات میں کلاسوں کی تشکیل سے پہلو تہی کرنا، جہاد سے غفلت برتنے کے مترادف تھا۔ انھی دنوں میں اتفاق سے آپ کو یکے بعد دیگرے دو انتہائی دردناک ذاتی حوادث کا سامنا کرنا پڑا کہ ایک طرف آپ کے بھائی وفات پاگئے، اور دوسری طرف یہ اطلاع ملی کہ آپ کے

جواں سال فرزند ، احسان ، جو شیراز یونی ورسٹی میں زیر تعلیم تھے ، میدانِ جنگ میں لاپتہ ہوگئے ہیں ۔ استاد کے حوصلے کی داد دیجیے کہ کلاسوں کا حسب معمول جاری رہنا تو اپنی جگہ ، آپ کے بعض نزدیک ترین رفقاء کو بھی ان حوادث کی کانوں کان خبر نہ ہوئی ۔ بعد میں جب بات نکلی اور بعض احباب نے گلہ کیا کہ آپ نے ذکر تک نہیں کیا ، تو آپ کا جواب مختصراً یہ تھا کہ اگر آپ کو پتہ چل بھی جاتا تو آپ کیا کرلیتے ، سوائے اس کے کہ آپ بھی خواہ مخواہ میری وجہ سے پریشان ہوتے۔ اسی دوران میں جب آپ کے ایک ہونہار شاگرد ، دکتر یدالله شکری بھی خالق حقیقی سے جاملے تو استاد کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا ۔ اس موقع کی مناسبت سے آپ نے یہ پُردرد مرثیہ لکھا ، خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رلایا :

رہِ سیلابِ سرشک از مژگان باز کنید
سرِ زخم از جگرِ غم زدگان باز کنید
خرمنِ ماہ ز سوزِ نفس آتش بزنید
شررش تا بہ رہِ کاہکشاں باز کنید
خون ز غم در جگر افسرد و گرہ بست بہ دل
گرہش تاکہ نیارد خفقان باز کنید
اشک در دیدہ و خون در جگر از نیست کنون
ز تنِ کوفتہ باری رہِ جان باز کنید
روزنی تا بہ طرب گر کہ گشادہ است ہنوز
ببندید و درِ غم مویہ کنان باز کنید
شمع مارا چو فلک کشت ز سقفش بہ قصاص
حلقۂ مشعلِ شعرای یمان باز کنید
دستبردی سرہ ۔ زد حادثہ راہش ببرید
تاکہ آن بستۂ بندِ حدثان باز کنید
آن گلی را کہ بپروردمش از چشمۂ جان
از گزندِ دی و سرمای خزان باز کنید
آن امانت کہ گرفتید چہ کردید ، کجاست ؟
بہ من آریدش و گردن ز ضمان باز کنید

باری از دفترِ عمرش نتوانید گشود
دفترِ نوحہ آن زندہ روان باز کنید

دو ایک برس کے بعد ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی کی زوجۂ محترمہ کا انتقال ہوا تو آپ نے پھر اسی طرح غیر معمولی صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا۔ لیکن جب آخری وداع کے لیے آپ نے اپنے فرزندوں کو مرحومہ کی قبر کے نزدیک بلایا تو صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔

آپ کی ساری اولاد۔ تین صاحبزادے سیّد حسن، سیّد حسین، سیّد محسن اور ایک صاحبزادی سیّدہ شکوفہ۔ فراغ تحصیل کے بعد انتہائی کامیاب اجتماعی زندگی بسر کر رہی ہے۔ خود آپ نے اپنا آخری اثاثہ رہائش کا مکان اور عمر بھر کی جمع پونجی، ایک عظیم ذاتی کتب خانہ، بھی قوم کے نام وقف کر دیے ہیں، اور زندگی کے ہر لحظے کو کمالِ اطمینان کے ساتھ فروغ علم اور اپنے وطن اور اس کے گرانقدر ثقافتی ورثے کو رونق بخشنے میں صرف کر رہے ہیں۔ آپ کو اپنی عظیم علمی خدمات کے اعتراف کے طور پر اب تک جو انعامات وغیرہ بھی ملے ہیں، آپ نے ان کو بھی انھی اہداف کو آگے بڑھانے کے لیے صرف کر دیا ہے۔ آپ دس برس تک "موقوفات دکتر محمود افشار" جس کے قیام کا مقصد بھی فارسی زبان و ادب کی ترویج و اشاعت ہے، انتظامی بورڈ کے چیئرمین رہے، اور اب گذشتہ کئی برس سے "شورای گسترش زبان فارسی در خارج از کشور" اور "انجمن بین المعلی استادان زبان فارسی" کی سرپرستی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ سازمانِ لغت نامۂ دہخدا کی سربراہی بھی بدستور آپ ہی کے ذمے ہے۔

خلیج فارس کو خلیج عرب کہنے کا مسئلہ ہو یا یونیسکو کے زیر اہتمام لکھی جانے والی مرکزی ایشیا کی تاریخ میں فارسی زبان کے مشاہیر شعراء، رودکی، عنصری، فرّخی، خاقانی و نظامی کے انضمام کا موضوع، ان مسائل کے بارے میں ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی کے ردِّ عمل کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ اسی طرح عالمی سطح پر فارسی زبان کے احیاء و بقاء کے سلسلے میں ایران کے مرکزی کردار کو تسلیم کرانے میں آپ کسی قسم کی مصلحت اندیشی کو در خورِ اعتنا نہیں سمجھتے۔ چنانچہ "انجمن بین المعلی استادان زبان فارسی" کا اساسنامہ جب مُرتّب ہوچکا، اور اب اس کے پہلے اجلاس کے انعقاد کا مسئلہ زیر غور آیا تو کسی طرف سے اس سلسلے میں تاجیکستان کا نام تجویز کیا گیا، اس پر آپ کا دو ٹوک جواب یہ تھا، متولی زبان فارسی حیّ و حاضر است، این جلسہ

باید در تہران باشد و اساسنامہ آنجا نوشتہ شود ۔ جلسہ دوم را ممکن است در تاجیکستان یا افغانستان و یا ہند گذاشت ۔ چنانچہ اس انجمن کا پہلا اجلاس ۳ سے ۵ جنوری ۱۹۹۶ء تک تہران ہی میں منعقد ہوا اور اس کا افتتاح اس وقت کے صدر ایران ۔ ہاشمی رفسنجانی نے کیا ۔

ہر شخص کی کوئی نہ کوئی پسند نا پسند ہوتی ہے اور وہ مختلف موضوعات پر اپنی خاص سوچ رکھتا ہے ۔ فارسی شاعری کے حوالے سے ڈاکٹر شہیدی کا خیال ہے کہ جہاں تک شعریت کا تعلق ہے سعدی کو حافظ پر فوقیت حاصل ہے البتہ ایک فنکار کی حیثیت سے حافظ سعدی سے کہیں آگے ہے اسی طرح وہ انوری کو خاقانی پر ترجیح دیتے ہیں ۔ آپ کے نزدیک شاعر مجبور نہیں کہ کسی ایک بات پر اصل لاتغیر کے طور پر ہمیشہ ثابت قدم رہے ۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ شعر کا منشا چونکہ احساس ہے اور احساسات ہر دم متفاوت ہوتے ہیں۔ پس شاعر کے قول اور سوچ میں تضاد کا ہونا ایک فطری امر ہے اور اسے دیکھ کر حیران نہیں ہونا چاہیے ۔ مذہبی امور میں بھی ڈاکٹر شہیدی کا اپنا ایک خاص انداز فکر ہے ۔ جس کا اظہار آپ نے ۱۹۹۱ء میں حج کے موقع پر مکہ معظمہ میں مجمع التقریب کے ایک جلسے میں یوں کیا : " تقریب " سے مقصود مذاہب کے درمیان موجود اختلاف کو ختم کرنا نہیں ۔ چونکہ یہ اختلاف نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ اور تابعین کے زمانوں میں بھی موجود تھا ۔ اور اس سے مسلمانوں کی وحدت کو کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچا ۔ پس تقریب سے مراد ایک تو یہ ہے کہ مختلف مذاہب ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھ سکیں اور دوسرے یہ کہ دشمنان اسلام کے مقابلے میں ان کا موقف ایک ہو ۔

راقم الحروف کو تہران یونی ورسٹی میں دوران تحصیل پانچ سال (۷۴ ۔ ۱۹۶۹ء) تک ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی سے براہ راست تلمذ اور استفاضے کی سعادت حاصل رہی ۔ بالکل سنجیدہ ماحول کو آن کی آن میں کسی لطیفے ، چٹکلے یا پُر معنی جملے اور تبصرے کے ذریعے کشتِ زعفران بنا دیتے اور پھر اگلے ہی لمحے دوبارہ پوری سنجیدگی کے ساتھ موضوعِ زیر بحث کی طرف لوٹ آنے کی جو کیفیت آپ کی کلاسوں کا طرۂ امتیاز تھی ، دیگر دروس میں بہت کم دیکھنے میں آتی ۔ آسٹریلیا میں میرے طویل قیام کے دوران بھی ان سے خط کتابت کا سلسلہ جاری رہا ۔ اور واپس پاکستان آنے پر بھی انھوں نے خاکسار کو اپنی عنایات سے کبھی محروم نہیں رکھا ۔ اب گذشتہ چند سال سے تہران میں ماموریت کے دوران بھی گاہے ماہے علمی مجالس میں ان کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوتی رہتی ہے اور استاد بدستور شفقت کا اظہار فرماتے

ہیں ۔ آج سے دو سال قبل جب ایران کی وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی کی جانب سے شایع شدہ میری کتاب " ھفت گفتار دربارہ سنائی و عطار و عراقی " کی رونمائی کا اہتمام انجمن آثار و مفاخرِ ملّی ایران کی طرف سے کیا گیا تو استاد شہیدی نے ازراہِ لطف اس وقت کے سفیرِ پاکستان در ایران اور ممتاز ایرانی دانشور ڈاکٹر فتح اللہ مجتبائی کے ہمراہ تقریب کی ہیئتِ رئیسہ میں شامل ہو کر اپنے اس ناچیز شاگرد کا سرِ ارادت اپنی عنایات کے بوجھ سے اور بھی جھکا دیا۔

استاد شہیدی فطری طور پر چونکہ بہت کم توقع واقع ہوئے ہیں ، ممکن ہے بسا اوقات ان سے مل کر ایک گونہ وارستگی و بے نیازی کا احساس ہو ، لیکن در حقیقت ایسا ہرگز نہیں ۔ استاد اور شاگرد کا باہمی ربط و ضبط ہو ، یا مُحقّق و قاری کے درمیان تعلق خاطر ، آپ کے نزدیک اس سلسلے میں جذبے اور احساس کو خصوصی اہمیت حاصل ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی ان کی موجودگی میں اساتذہ ، مُحقّقین اور اہل علم کی مادی بہبود کے اقدامات کی بات چھڑی ، بلا اس کے کہ آپ انسانی زندگی کے اس اہم پہلو کی اہمیت و افادیت سے انکار کریں " آپ نے اس بات پر ہمیشہ زور دیا ہے کہ کسی گوشہ گیر صاحب علم کی سادہ سی احوال پرسی ، ہسپتال میں صاحب فراش فنکار کی عیادت ، کسی شاعر کی ادبی خدمات پر اس کا اظہار تشکّر اور کسی اہل قلم کی زحمات کا معاشرے میں برملا اعتراف بازار علم کو رونق بخشنے کے لیے ، ان لوگوں کو مادی تسہیلات فراہم کرنے سے کسی طرح کمتر اہمیت کا حامل نہیں ۔ آپ اپنے گرد و پیش کے ماحول سے اس عاطفی تعلق کی برقراری میں کس قدر کامیاب رہے ہیں اس کا تازہ ترین اظہار پچاس گراں قدر علمی مقالات کا وہ مجموعہ ہے جو آج سے دو تین سال قبل آپ کے ارادت مندوں نے نامۂ شہیدی کے نام سے آپ کو پیش کیا ۔

اسے ڈاکٹر سیّد جعفر شہیدی ایسے اکابرینِ علم کے بار بار کے تذکرے کا اثر سمجھ لیں ، یا ایرانی حکومت کی بنیادی پالیسی جس کی تشکیل میں یقیناً آپ جیسے ممتاز اہل فکر و اندیشہ کا صلاح مشورہ شامل ہوتا ہے ، اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایران میں اہل علم کی ، غیر ملکی ہوں یا ایرانی ، عزت و تکریم ، اور تجلیل و تبجیل میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جاتی ۔

سبزۂ خطِ تو دیدیم و زبستانِ بہشت
بہ طلب کاریِ این مہر گیاہ آمدہ ایم

تہران ۳۰ جون ۱۹۹۸ء